ہندوستان میں تحریک نسواں

تسنیم بانو
شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی

انگریزی زبان میں تحریک نسواں کے لیے Women Movement کا استعمال ہوتا، لیکن اس کی اصطلاح کے لیے Feminism لفظ مروج ہے جو لاطینی زبان کے Femina سے مشتق ہے جس کے معنی عورت کے ہیں۔ اسی لفظ میں ism کی اضافت کے ساتھ ''عورتوں کی خصوصیات'' کے معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ دراصل تحریک نسواں سے مراد سماج میں مردوں کے برابر خواتین کے حقوق جن میں مساوی حقوق سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی ہیں نیز پدری سماج میں عورتوں کی محکومیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے ہیں اور تعلیم وروزگار میں مساوی مواقع کی حمایت کرنا ہے۔ ہندوستان میں تحریک نسواں کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو ہم تحریک نسواں کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

اول: ہندوستان میں تحریک نسواں کی تحریکات

دوم: اردو ادب میں تحریک نسواں

(ا) ہندوستان میں تحریک نسواں کی تحریکات:

گیتا نجلی نے ۲۰۰۷ء میں اپنی لکھی کتاب'' Indian Feminism'' میں تحریک نسواں کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے، لیکن ہندوستان میں تحریک نسواں کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ابتدا سے ۱۹۰۰ء تک: ہندوستان میں تحریک نسواں کا پہلا دور تقریباً ۱۸۱۸ء سے شروع ہوتا ہے۔ جس میں راجہ رام موہن رائے کی کوششوں کے زیر اثر انگریزوں نے بھی ستی جیسی رسم کو ناپسند کیا تھا اور ۱۸۲۸ء میں ستی رسم کے خلاف قانون پاس ہوا۔

۲۔ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۵۰ء تک: دوسرا دور ۱۹۰۰ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کی ابتدا ہندوستان کو غلامی سے آزاد کرانے کے لیے گاندھی جی نے خواتین کو ''ہندوستان چھوڑو تحریک'' میں شامل کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خواتین کا ذہن بیدار ہوا، وہ اپنے حقوق اور آزادی کا مطالبہ کرنے لگیں۔ ہندوستان میں پہلی بار ۱۹۲۶ء میں عورتوں کو ووٹ ڈالنے کا حق ملا اور اس سال الیکشن میں حصہ بھی لیا۔ اس عہد میں بہت سے ادارے اور انجمنیں قائم ہوئیں جن میں Women India Association 1917 (خواتین کی پہلی تنظیم ہے۔ اس تنظیم کا مقصد مساوی حقوق، مساوی مواقع، لڑکیوں کی بنیادی تعلیم لازمی، بچوں کی شادی اور دیگر سماجی برائیوں کا خاتمہ کرنا وغیرہ شامل ہیں)، All India Women's Conference1927 (اس کانفرنس کا مقصد عورتوں کی تعلیم کو فروغ دینا) اور National Council of Women in India1925 (اس انجمن نے خواتین کا مقام وحیثیت دلانے اور ان کی ترقی میں اہم رول ادا کیا اور عورتوں کے حق رائے دہی کے لیے سرگرم رہی) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

۳۔ ۱۹۵۰ء سے ۲۰۰۰ء تک: تیسرا دور ہندوستان میں تحریک نسواں کا عہد زرّیں ہے۔ اس دور کا آغاز آزادی کے بعد سے ہوتا ہے جب عورتیں سیاست میں اپنی حصے داری کی خواہاں ہوئیں اور روزگار میں مساوی مواقع اور کام کی جگہ پر بہتر برتاؤ کا مطالبہ کیا۔ ہندوستان میں آزادی کے بعد خواتین کی ترقی اور ان کی حفاظت کے لیے متعدد قوانین نافذ کئے گئے۔ ان میں سے بعض اہم قوانین اس طرح سے ہیں۔ شادی کا قانون، عصمت دری سے متعلق قانون، بیوی کا نان ونفقہ قانون ۱۹۵۶ء، جائداد میں عورت کا حق ۱۹۵۶ء، مساوی تنخواہ قانون ۱۹۷۶ء وغیرہ۔ National Fedration For Indian Women-1954 کی اس تنظیم کا مقصد خواتین کے حالات میں تبدیلی، یعنی سماج میں قابل احترام مقام دلانا، ان کے شعور میں پختگی پیدا کرنا اور ان کے اندر اعتماد کو بحال کرنا وغیرہ نیز موجودہ سماجی سیاسی ڈھانچے کی متحدہ قوت کی مدد سے تدوین کرنا ہے۔ Indian Association For Women's Studie کا مقصد خواتین کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرانا ہے جس کے ذریعے اپنی معلومات کے مطابق تبصروں اور تخیّل کا تبادلہ کر سکیں۔

۴۔ ۲۰۰۰ء سے موجودہ عہد تک: زنا بالجبر اور دہشت گردی ہندوستان میں عام ہوگئی ہے اسی کے ساتھ اپنے گھروں میں بھی عورتیں محفوظ نہیں تھیں۔ گھروں میں روزمرہ مار پیٹ، زیادتی، جسمانی اور ذہنی تکلیف سے دو چار ہوتی تھیں۔ چنانچہ گھروں میں عورتوں کی حفاظت کے لیے

''۲۰۰۵ء میں گھریلو تشدد'' کے نام سے ایکٹ پاس ہوا۔ جس سے وہ اپنے گھروں میں حفاظت سے رہ سکیں۔ آج کل طلاق ثلاثہ پر موجودہ بحث گرما گرم ہے کچھ لوگ حمایت میں اور کچھ اختلاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سے پہلے عورتوں کا بعض درگاہ اور مزاروں پر پابندی کا مسئلہ ابھرا ہوا تھا۔ اس طرح کے متعدد مسائل ہندوستان میں عورتوں سے متعلق موجود ہیں جن پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔

دراصل ہندوستان میں تحریک نسواں سے متعلق تحریکات، اصلاحی معاشرہ کی دین ہے۔ یہ بات صداقت پر مبنی ہے کہ تحریک نسواں کی ابتداء سرزمین ہند پر تاخیر سے ہوئی۔ کیونکہ ہندوستان میں رائج قدیم رسم ورواج، جن کی بنیاد مذہب پر ہے ان کے اثرات صدیوں سے ہندوستانی سماج پر مرتب ہیں۔ جن کی وجہ سے متعدد برائیاں مذہب کے نام پر رواج پاتی گئیں لہٰذا سماجی برائیوں کو دور کئے بغیر ہندوستانی عوام کی فلاح و بہبود ممکن نہیں۔ حالانکہ مختلف مکاتب فکر کے دانشوروں نے مذہبی قدامت پسندی اور تنگ نظری کے خلاف سخت جدوجہد کرتے ہوئے اصلاح معاشرہ کو اپنا نصب العین بنایا۔ چنانچہ خواتین کی حالت بہتر کرنے کی غرض سے کوششیں کی گئیں اور اس طرح ہندوستان میں تحریک نسواں کا آغاز ۱۹ویں صدی میں ہوتا ہے جس کے ذریعے سماجی، ثقافتی، تاریخی اور مذہبی افکار میں تبدیلی واقع ہوئی۔ چنانچہ قدیم مذہبی روایات، فرسودہ رسم ورواج، مذہبی تعصّبات اور عقیدے، نیز پراز جہل افکار ونظریات پر نئے طرز سے غور وفکر کرنے کی ابتدا ہوئی۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے مختلف ادارے و انجمنیں قائم کی گئیں جن میں آریہ سماج، برہمو سماج، پرارتھنا سماج، رام کرشن مشن، تھیوسی فیکل سوسائٹی، نام دھاری سکٹ مشن وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ راجہ رام موہن رائے، دیویندر ناتھ ٹیگور، ایشور چندر ودّیا ساگر اور سوامی دیانند سرسوتی نے مل کر ستی جیسی خطرناک اور تکلیف دہ رسم کا خاتمہ کرایا۔ چنانچہ ستی رسم کے خلاف ۱۸۲۸ء میں قانون کا نفاذ ہوا، بیواؤں کی دوسری شادی کرانے کی سعی کی جو ۱۸۵۶ء میں کامیاب ہوئی۔ دیگر مصلحین میں ایم جی رانا ڈے، کے۔ کاروے اور رابندر ناتھ ٹیگور وغیرہ عورتوں میں علم کی روشنی پھیلانے کے لیے، متعدد تعلیم گاہ کا قیام عمل میں لائے۔ ان مصلحین نے تعلیم نسواں کو بھی فروغ دیا۔ ڈی۔ کے۔ کاروے نے ۱۹۱۶ء میں ''خواتین یونیورسٹی'' کی بنیاد ڈالی۔

۱۹ویں صدی کی ابتدا میں ہندوستان میں تعلیم نسواں کا رجحان نظر نہیں آتا اسی لیے اصلاح معاشرہ کا پہلا مقصد خواتین کی تعلیم نسواں کو فروغ دینا تھا، لیکن پھر بھی ۱۹ویں صدی کے وسط تک تعلیم نسواں کی رفتار سست تھی۔ کرسچن مشنریوں نے اس جانب پہلے پہل توجہ کی اور ۱۸۲۴ء میں Ladies "Society For Native Female Education" کے نام سے درس گاہ کا قیام عمل میں آیا۔ تعلیم نسواں کے حامیوں میں Lord Bentok اور Lord Delhozi کے نام نامی نمایاں ہیں جنھوں نے ۱۸۵۰ء میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے بھرپور تعاون کیا اور اس سے متعلق احکامات بھی جاری کئے جن پر ۱۸۵۴ء میں عمل درآمد ہوا۔

۱۸۴۹ء میں لڑکیوں کے لیے F.E.D.Bethonce نے اسکول قائم کیا اور یہی اسکول آگے چل کر Bethon Callege کے نام سے عورتوں کی تعلیم کا ایک اہم ادارہ بن گیا۔ ۱۸۲۰ء میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے کلکتہ میں ''انجمن اطفال'' کے نام سے انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ اسی نہج پر Prof. Patton نے ممبئی ''لٹریری اینڈ سائنٹفک سوسائٹی'' قائم کی اور اس سوسائٹی کے تحت لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مدارس کا قیام بھی ہوا۔ چنانچہ کرسچن مشنریوں، انگریزوں اور ہندوستانیوں کی کوششوں کی بنا پر ہندوستانی عوام کے ذہنوں میں تبدیلیاں آنی شروع ہوئی۔

دراصل حقوق نسواں کا آغاز غیر خواتین دانشوروں کے ہاتھوں عمل میں آیا جس کے نتیجے میں تعلیم نسواں کی جانب توجہ مبذول ہوئی تو اشرافیہ خاندان کی عورتیں بھی تعلیم حاصل کرنے لگیں اور وہ تحریک نسواں کے میدان میں عملی طور پر سرگرم عمل ہوئیں، لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی پھر بھی ہندوستانی سماجی ڈھانچے پر بہت زیادہ اثر ڈالا۔ ان اولین خواتین میں سورن کماری دیوی، رانی شرنومئی، مہارانی تپسوینی (مہا کالی سنسکرت پاٹ شالہ)، پنڈتا رامابائی، رمابائی رانا ڈے وغیرہ کے نام لیے جاتے ہیں۔ ان عورتوں نے اپنی پوری زندگی اصلاح معاشرے کے لیے صرف کردی۔ ان امور میں لڑکیوں کے لیے اسکول کا قیام، بیواؤں کے لیے آشرم، لیڈیز کلبس کی ابتدا اور تعلیمی بیداری کے لیے جلسوں کا اہتمام شامل تھا۔

سورن کماری دیوی (ٹیگور کی بہن) تھیوسی فیکل سوسائٹی آف بنگال کے شعبہ زن کی صدر تھیں۔ انھوں نے اصلاح خواتین کے لیے بنگالی زبان میں ایک رسالہ ۱۸۸۴ء میں "Bamabhadini Patrika" جاری کیا۔ اس میں خاص طور پر عورتوں کی اصلاح کے لیے مضامین شائع ہوتے تھے اور انھوں نے عورتوں کی ذہنی بیداری کے لیے ''لیڈیز ایسوسی ایشن'' نام کا ادارہ بھی قائم کیا اور رمابائی نے خواتین کی تعلیم، سماجی ناانصافیوں اور قدیم رسم ورواج کے خلاف انسانی شعور کو بیدار کرنے کی غرض سے ملک کا دورہ کیا۔ خاص کر بچپن کی شادی کو روکنے کی غرض سے پونہ میں ''مہیلا آریہ سماج'' کی بنیاد ڈالی اور ۱۸۸۹ء میں شاردا سدن ممبئی، ۱۸۹۶ء میں مکتی سدن MP میں بنیاد رکھی۔ رانی شرنومئی نے اسکول اور ہاسٹلس کا قیام وتعمیر کرایا جو ناقابل فراموش کارنامے ہیں۔ رانا ڈے نے تعلیم نسواں کے فروغ میں لڑکیوں کے

لیے اسکول قائم کیا ساتھ ہی لیڈیز کلب کی بنیاد بھی ڈالی۔ان کے علاوہ خواتین مصلحین میں مسز موتی لال نہرو، رانی صاحبہ پرتاپ گڑھ، مسز دیپ نارائن سنگھ، شریمتی سرلا دیوی چودھری، مسز لالت موہن بنرجی، مسز جیوتی سروپ وغیرہ اہم نام ہیں۔

مسلمان مغربی تعلیم کو مسلمانوں کے خلاف سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے مغربی تعلیم پر ذرا دیر سے توجہ دی۔ ۱۹ویں صدی کے نصف آخر تک مسلمانوں کی تعلیم کے لیے صرف مدرسے اور مکتب ہی ہوا کرتے تھے۔ جہاں مذہب، اخلاقیات اور شریعت کی تعلیم دی جاتی تھی، لیکن جب ۱۸۵۷ء میں ملازمت کے مواقع ملے، اس وقت سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا کیونکہ ان کے پاس انگریزی زبان اور مغربی تعلیم نہیں تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے حالات بدسے بدتر ہوتے گئے تو مسلم معاشرے میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ مسلمانوں کے بہتر حالات کے لیے مذہبی، تعلیمی اور سماجی اصلاحات کے لیے مختلف تحریکیں شروع ہوگئیں۔ جن میں سرسید احمد خاں کی علی گڑھ تحریک، نواب عبداللطیف کی 'محمڈن لٹریری اینڈ سائنٹفک سوسائٹی، شیخ عبداللہ کی انجمن خواتین اسلام، سید امیر علی کی سینٹرل محمڈن ایسوسی ایشن، بدرالدین طیب جی کی انجمن اسلام کے نام اہم ہیں۔ سرسید نے مسلمانوں کو جدید تعلیم سے روشناس کرایا اور مسلم معاشرے میں ذہنی بیداری پیدا کی اور باقاعدہ اس تحریک کا آغاز ۱۸۷۵ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے قیام سے ہوا۔ ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقد کی اور زور دیا کہ ملک کے گوشے گوشے میں کانفرنسیں کرائی جائیں اور جدید علوم سے مسلمانوں کو روشناس کرایا جائے۔ مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دینے کی اس تحریک میں سرسید اکیلے نہیں تھے بلکہ ان کے رفقا ان کے ساتھ تھے ان میں شیخ عبداللہ، مولوی چراغ علی، نواب عمادالملک، سید مہدی علی، محسن الملک، مولوی ممتاز علی، مولوی مشتاق حسین، وقارالملک، مولوی ذکاء اللہ، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد اور محمد حسین آزاد وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام مفکرین اور دانشوروں نے سماجی معاشرتی اصلاح کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔

مسلم طبقہ میں تعلیم نسواں کی بیداری اور رجحان محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی دین ہے۔ اس کانفرنس میں ۱۸۹۰ء میں ایک شاخ برائے تعلیم نسواں نام سے قائم کی گئی اور اس شاخ کے سکریٹری شیخ عبداللہ کو بنایا گیا۔ اس میں تعلیم نسواں کی اہمیت اور ضرورت پر جلسے منعقد کیے گئے۔ شیخ عبداللہ نے عورتوں کی ذہن سازی کے لیے ۱۹۰۴ء میں رسالہ'' خاتون'' نکالا، اس رسالے میں تعلیم نسواں کی اہمیت اور قدیم سماجی رسم و رواج کے اختلافی موضوعات پر اہم مضامین شائع کیے۔ ۱۹۰۶ء میں لڑکیوں کے لیے ایک اسکول قائم کیا اور ہاسٹل کی تعمیر بھی کی۔ شیخ عبداللہ (۱۸۷۴ء۔۱۹۶۵ء) کے متعلق ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا تھا کہ'' shaikh saheb is the founder of womens movement in our country'' (شیخ صاحب ہمارے ملک میں خواتین کی تحریک کے بانی ہیں)

ان کے علاوہ سجاد حیدر یلدرم، غلام الثقلین اور ممتاز علی وغیرہ نے تعلیم نسواں کے فروغ میں تعاون کیا۔ ممتاز علی کے رسالے'' تہذیب نسواں'' میں عورتوں کے خراب حالات، قدیم روایات و خیالات اور تعلیم کی دوری کے خراب اثرات پر زیادہ تر مضامین شائع کیے ہیں۔ ۱۸۹۸ء میں'' حقوق نسواں'' نام کی کتاب لکھی جو اردو کی پہلی تحریک نسواں کی تصنیف ہے۔ بقول آمنہ تحسین:

> ''چونکہ ممتاز علی حقوق نسواں کے بڑے حامی تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ۱۸۹۸ء میں اپنی معرکۃ الآرا کتاب'' حقوق نسواں'' تصنیف کی۔ یہ اردو کی پہلی تانیثی کتاب ہے جس میں خواتین کے حقوق اور مساوات مردوزن کے متعلق دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔''[۱۱]

مسلم طبقہ میں اصلاح نسواں اور تعلیم نسواں کی تحریک کا آغاز مرد مفکرین اور دانشوروں کے دست مبارک سے ہوتا ہے، لیکن اس تحریک کو پختگی اس وقت حاصل ہوئی جب خواتین بھی شامل ہوئیں جب مسلم معاشرہ جدید تعلیم کا مخالف تھا تو اس ماحول میں خاتون کا اس تحریک میں شامل ہونا بہت ہمت اور جرأت مندی کا کام تھا۔ انہی قابل فخر خواتین میں تعلیم نسواں کی تبلیغ اور سرپرستی کے اعتبار سے بیگم بھوپال عرف سلطان جہاں کا نام اہم ہے۔ انھوں نے خواتین کی تعلیم کے لیے وکٹوریہ، سلطانیہ اور بلقیسیہ نام کے مدرسے کھلوائے۔ اس کے علاوہ متعدد تنظیمیں، ادارے بھی قائم کیے۔ عورتوں کی تعلیم کے زبردست حامی شیخ عبداللہ کی اہلیہ نے ان کے ساتھ مل کر زنانہ مدرسہ اور بورڈنگ ہاؤس اور گرل ہاسٹل کا انعقاد کیا۔ اس کے علاوہ نفیس دلہن، فاطمہ بیگم، عطیہ فیضی، زہرا فیضی، صغرا ہمایوں مرزا، طیبہ بیگم بلگرامی، فاطمہ زہرا بیگم، عباسی بیگم، خجستہ اختر سہروری، نذر سجاد حیدر، جہاں آرا شاہنواز، سلطان خانم رضیہ مسعود الحسن، مہدی بیگم، اختر حمیدہ وغیرہ کے نام تحریک نسواں کو فروغ دینے میں قابل ذکر ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں سماجی مصلحین نے مذہب کی صحیح وضاحت کے ساتھ سماجی اصلاح جیسا اہم کارنامہ انجام دیا۔ اس وقت کے اہم موضوعات جن پر خاص توجہ دی گئی وہ ستی رسم کی مخالفت، تعلیم نسواں، بیوہ کی دوسری شادی، مختلف ذاتوں کے فرد کی ایک ساتھ شادی، سخت پردے کی مخالفت، بچپن کی شادی، کثرت ازدواج اور ذات پات کے امتیاز کو ختم کرنے کی حمایت کی گئی۔

موجودہ دور میں ہندوستان میں سرکاری اور غیر سرکاری مختلف انجمنیں

خواتین کی فلاح کے لیے کام کررہی ہیں۔ان میں سے ایک ''نیشنل کمیشن فار ومن'' دہلی میں ہے جس کا مقصد خواتین کے حقائق کی حفاظت کرنا،عورتوں کے ذہن میں بیداری پیدا کرنا اور انھیں قانون سے واقف کرانا ہے تاکہ ان میں حقوق حاصل کرنے کی اہلیت پیدا ہو سکے۔ملک کے دیگر حصوں میں جلد سے جلد انصاف دلانے کی سعی ''پاریوارک مہیلا لوک عدالت'' کرتی ہے۔

عورتوں کا ایک قومی نیٹ ورک National Alliance of Women ہے جس میں خواتین کی مختلف انجمنیں ایک دوسرے کے رابطے میں رہتی ہیں۔اس کے علاوہ ملک میں مختلف سیاسی پارٹیوں کی اپنی ٹریڈ یونین اور خواتین کی انجمنیں ہیں۔

(۲) اردو ادب میں تحریک نسواں:

اردو ادب میں تحریک نسواں سے مراد نسائی ادب اور نسائی حسیّت سے ہی نہیں بلکہ ادب میں خواتین کے مساوی حقوق (سیاسی،سماجی،ثقافتی اور معاشی)،آزادی،تعلیم اور روزگار سے متعلق موضوعات ہوں اور ان (خواتین) کے لیے فلاحی وترقی کے راستے ہموار ہوں۔اردو ادب کی ابتداء میں تحریک نسواں سے متعلق کوئی مواد نہیں ملتا ہے بلکہ نسائی حسیّت کے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے۔اگر اردو ادب کی تاریخ کا ہم جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ شاعروں اور ادیبوں کا دلچسپ موضوع ''عورت'' ہی رہی ہے جس میں عورت کی زیبائش وآرائش،حسن وجمال،ناز وادا،خدوخال،زلفوں کا پیچ و خم،نفسیاتی اور رومانوی احساس وجذبات کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔اردو ادب میں تحریک نسواں کے ابتدائی نقوش ترجموں اور داستانوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔کلام الٰہی کے اردو تراجم میں ہمیں صنف نسواں کا ذکر واشگاف طور پر نظر آتا ہے۔ہم جب اردو ادب کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو اردو میں پہلے پہل خواتین کی صدائے احتجاج داستانوں میں نظر آتی ہے جب کسی مقصد کے تحت مردوں کے لباس پہن کر،ہاتھ میں تلوار لے کر،گھوڑے پر سوار ہوکر عورت جاتی ہے اس وقت وہ ہمت،دلیری کا مظہر ہوتی ہے یا جب بغاوت کر کے اپنے محبوب کی تلاش میں گھر سے باہر جانکلتی ہے اور کامیاب ہوکر واپس آتی ہے یعنی اپنے حق کے لیے یہ سب کرتی ہے تو عورت کا ایک نیا روپ سامنے آتا ہے۔ایک نئی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے جس کو تحریک نسواں کے ابتدائی نقوش مانا جاسکتا ہے۔اس طرح کے کردار متعدد داستانوں اور قصوں میں دیکھنے کو مل جائیں گے۔مثال کے طور پر قصۂ چہار درویش،باغ وبہار اور رانی کیتکی وغیرہ کی کہانی کے کرداروں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

شاعری:اردو شاعری میں تحریک نسواں کی پہلی آواز مولانا الطاف حسین حالی کی ہے۔انھوں نے اپنی نظموں اور مثنویوں کے ذریعے خواتین کے مسائل کے لیے صدا بلند کی۔''چپ کی داد'' اور ''مناجات بیوہ'' ان کی شہرۂ آفاق نظمیں ہیں جن میں ایک نوجوان بیوہ کی پریشانیوں اور تکلیفوں کا ذکر کیا ہے۔اردو کی شاعرات جنھوں نے تحریک نسواں کے متعلق اپنی شاعری میں عورت کے حقوق وآزادی اور مسائل کے موضوعات کا انتخاب کیا ہے ان میں ادا جعفری،پروین شاکر،شفیق فاطمہ،فہمیدہ ریاض،ساجدہ زیدی،زاہدہ زیدی،نور جہاں ثروت،ترنم ریاض اور نصرت آرا چودھری وغیرہ شامل ہیں۔

ناول:۱۹ویں صدی میں اردو میں باضابطہ طور پر تحریک نسواں کی آواز پہلے پہل ڈپٹی نذیر احمد کے ناول مرأۃ العروس (۱۸۶۹ء) میں ملتی ہے ناول میں اصغری کا کردار خواتین کے ایک آئیڈیل کردار سے متعارف کراتا ہے چنانچہ یہ کردار تادیر ہمیں متاثر کیے رہتا ہے۔یہ کردار دینی علوم کے علاوہ تاریخ،سائنس،جغرافیہ اور جنرل نالج سے پر ہے۔یہ کردار ایک مدت تک دلچسپی کا باعث رہا۔اس کے علاوہ بنات النعش میں محمودہ اور حسن آرا کی شکل میں عورتوں کی بہتری کے کردار نظر آتے ہیں۔نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں خواتین کے تہذیبی اور تعلیمی مسائل،بیوہ کی پریشانیاں اور لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ جیسے موضوع کو پیش کیا ہے۔چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد اور شیخ عبداللہ کی ادبی خدمات کے متعلق علی احمد فاطمی تحریر کرتے ہیں:

> ''نذیر احمد کے قلم سے ڈالی گئی بنیاد اور شیخ عبداللہ کے علم وعمل اور جانفشانی سے لگایا ہوا یہ پودا بدلتی ہوئی ہواؤں کے اثر سے بارآور ہوا اور ۳۵،۱۹۳۰ء تک پہنچتے پہنچتے تحریک نسواں اپنے پورے اغراض ومقاصد کے ساتھ ملک گیر سطح پر رواں دواں تھی۔''[۲]

(حوالہ:''اردو ادب کو خواتین کی دین''
پیشکش اردو اکادمی دہلی،۱۹۹۴ء،ص:۱۶۵)

نذیر احمد کے ناول ''ایامیٰ'' سے لے کر ''روئے صادقہ'' تک کے ناولوں میں عورتوں کے مسائل اور اصلاح جیسے موضوعات پیش کیے گئے ہیں۔اردو ناول میں نذیر احمد کے علاوہ شرر،راشد الخیری،مولانا الطاف حسین حالی،سیماب اکبرآبادی،مرزا محمد ہادی رسوا،پریم چند،کرشن چندر،راجندر سنگھ بیدی،منٹو،سرشار وغیرہ شامل ہیں۔خواتین فنکاروں میں رشیدۃ النساء،اکبری بیگم،محمدی بیگم،مسز عباس طیب جی،صغرا ہمایوں مرزا،عباسی بیگم،حسن بیگم،بیگم شاہنواز،مسز عبدالقادر،نذر سجاد حیدر اور ممتاز شیریں وغیرہ کے نام نامی ہیں۔خواتین ناول نگاروں کے یہاں تعلیم نسواں،چھوٹی عمر میں لڑکیوں کی شادی کے نقصاندہ اثرات اور مشرقی عورت کی روایتی وفاداری جیسے موضوعات نظر آتے ہیں۔

افسانہ:اردو افسانے میں تحریک نسواں کا باقاعدہ آغاز ۱۹۳۲ء میں ''انگارے'' کی اشاعت سے مانا جاتا ہے۔اس مجموعے میں شامل رشید

جہاں کا افسانہ ''دلّی کی سیر'' میں بڑی بے باکی کے ساتھ پہلی بار ادب میں مرد کی اجارہ داری کو تنقید بنایا گیا ہے اور خواتین کے مسائل کو پیش کیا گیا۔ تحریک نسواں کے اولین نقوش اسی افسانے میں ملتے ہیں۔ رشید جہاں کے بعد تحریک نسواں کی واضح اور بلند آواز عصمت چغتائی کی ہے۔ انھوں نے رشید جہاں سے دو قدم آگے بڑھ کر حقیقت نگاری کے ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ عصمت نے اپنے افسانوں میں ۲۰ ویں صدی کی عورت کو پیش کیا ہے جو اپنے دل و دماغ سے سوچتی سمجھتی اور جذبات و احساسات کو محسوس کرتی ہے۔ ان کے افسانوں کے اہم موضوعات میں مسائل نسواں، آزادیٔ نسواں، حقوق نسواں اور عورتوں کی مختلف خواہشات کا بیان ہے۔ عورت ان کے تمام موضوعات کا مرکز و محور بنی رہتی ہے۔ عصمت کے یہاں عورت بیک وقت کمزور اور طاقت ور نظر آتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو عصمت کے یہاں عورت کی نمایاں شکلیں اس کی زبردست قوت ہے اور ان کے ناولوں و افسانوں میں عورت کا استحصال اور ان پر ہونے والے ظلم کے خلاف شدید احتجاج ملتا ہے۔ عصمت چغتائی ایک ایسی افسانہ نگار ہیں جو تحریک نسواں کو بڑے ہی توانا انداز اور فنکاری کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ بقول ترنم ریاض:

> ''ان کی تحریریں بلاشبہ موضوعات، اسلوب، کردار اور لب و لہجے کے اعتبار سے تانیثی حسیّت Feminist sensibility اور تانیثی شعور Feminist conciousness کے اظہار کا پہلا معتبر تجربہ ہیں اس لحاظ سے ان کی تحریریں تانیثیت کی پہلی وہ مستند دستاویز ہیں۔''[3]

(حوالہ: عصمت چغتائی نمبر، ماہنامہ آجکل، نئی دہلی، اگست ۲۰۱۵ء)

عصمت کے ناول و افسانے ٹیڑھی لکیر، عورت، لحاف، چوتھی کا جوڑا، مقدس فرض، چھوٹی آپا وغیرہ میں تحریک نسواں کے اثرات موجود ہیں۔ قرۃ العین حیدر کے ناولوں و افسانوں میں تاریخ، فلسفہ، سماجیات، سیاسیات، تہذیب و تمدن اور سماجی انفرادی نفسیات کا ایک جہاں موجود ہے اور سب سے زیادہ تانیثی شعور و ادراک اور عورت کی تاریخی روداد دکھائی دیتی ہے۔ ''آگ کا دریا'' اور ''اگلے جنم موہے بٹیا نہ کی کیجو'' اسی نوعیت کے ناول ہیں۔ رضیہ فصیح احمد اپنے افسانوں میں خواتین کے مسائل اور ان کی آزادی کی حمایت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور سلطانہ مہر نے عالمی تناظر میں خواتین کی نفسیات اور ان کے مسائل کو اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے۔ نیز ترنم ریاض کا ناول ''مورتی'' میں تحریک نسواں کا رجحان اور انفرادی لب و لہجہ موجود ہے انھوں نے خواتین کے مسائل اور اس کی نفسیات پر بہت لکھا ہے۔ ان کے علاوہ بانو قدسیہ، خدیجہ مستور، صغرا مہدی، غزال ضیغم، ذکیہ مشہدی، صبیحہ انور، ثروت خان، واجدہ تبسم، شکیلہ رفیق وغیرہ کے یہاں تحریک نسواں کی آواز بلند ہے۔

عوام تک اپنی بات پہنچانے اور انسانی ذہنوں کو بیدار کرنے میں جرائد اور اخبارات نے اہم کارنامے انجام دیے ہیں۔ ہندوستان میں اردو کے متعدد جرائد نے تحریک نسواں کے فروغ میں نمایاں خدمات انجام دیے ہیں۔ جس میں محمدی بیگم کا رسالہ ''تہذیب نسواں'' لاہور (۱۸۹۸ء) خواتین کا پہلا رسالہ ہے اس میں عورتوں سے متعلق متعدد موضوعات ہوتے تھے اور زندگی کو صحیح طریقے سے سمجھنے اور برتنے کے علاوہ تخلیقی کارناموں کے لیے ذہنوں کو بیدار بھی کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ''خاتون'' علی گڑھ (۱۹۰۴ء)، ''عصمت'' لاہور، دہلی (۱۹۰۸ء)، ''شریف بی بی'' لاہور (۱۹۰۹ء)، ''النساء'' حیدرآباد (۱۹۱۹ء) اور ''تبلیغ نسواں'' دہلی (۱۹۲۶ء) وغیرہ میں عورتوں کی اصلاح، فلاح و بہبود اور حصول حقوق کی ترغیب دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔ نیز رسالہ ''ادیب'' میں خواتین کا گوشہ نکلتا تھا جس میں عورتوں کی تعلیمی اصلاح، سیاسی بیداری، اخلاقی، موضوعات کے ساتھ ان کے عالمی سطح پر حقوق اور ان کے مسائل کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ تحریک نسواں کے ارتقا میں اردو رسائل نے بھی اہم کارنامہ انجام دیا ہے جسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اردو کی شعری اور نثری تمام اصناف میں تحریک نسواں کے متعدد موضوعات فرداً فرداً دیکھنے کو ملتے ہیں، لیکن عہد حاضر میں تحریک نسواں یا تانیثیت یا فیمنیزم پر متعدد تصانیف باضابطہ طور پر اردو زبان میں لکھی جارہی ہیں۔ جس میں ''ہندوستان میں عورت کی حیثیت'' از صغرا مہدی، ''فیمنیزم تاریخ و تنقید'' از شہناز نبی، ''مطالعات نسواں'' از ڈاکٹر آمنہ تحسین، ''عالمی تحریک نسائیت مضمرات و ممکنات'' از وہاب اشرفی، ''تانیثیت کے مباحث اور اردو ناول''، شبنم آرا اور ''خواتین کی اختیار کاری اور جنسی مساوات ملکی و عالمی تناظر میں'' از خواجہ عبدالمنتقم وغیرہ کی تصانیف خواتین کے تاریخی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی مسائل اور حقائق کے حصول کے ضمن میں اہمیت کی حامل ہیں۔ چنانچہ یہ صداقت ہے کہ ابتدائی اردو ادب کے مختلف اصناف سخن میں تحریک نسواں کے اولین نقوش ملتے ہیں، لیکن اب تحریک نسواں شعری اور نثری ادب (داستان، شاعری، ناول، افسانہ، ڈرامہ اور تراجم) میں باضابطہ طور پر موجود ہے۔

حواشی:

۱۔ مطالعات نسواں از آمنہ تحسین، ص: ۱۹۵، ۲۰۰۸ء

۲۔ ''اردو ادب کو خواتین کی دین'' پیشکش اردو اکادمی دہلی ۱۹۹۴ء، ص: ۱۶۵

۳۔ عصمت چغتائی نمبر، ماہنامہ آجکل، نئی دہلی، اگست ۲۰۱۵ء)

○○